شہادتِ حق

امتِ مسلمہ کا فرض اور مقصدِ وجود

پچھلے دنوں بحالیٔ صحت کے لیے سیالکوٹ میں قیام کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں جماعت اسلامی کے ایک اجتماع میں یہ تقریر کی گئی، احباب کی خواہش پر اسے قلمبند کر کے شائع کیا جاتا ہے۔ تقریر کے آخری حصہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ ان شبہات کے جواب میں ہے جو جماعت کے نظام اور طریق کار پر بعض مقامی حلقوں کی طرف سے پھیلائے جا رہے تھے۔

ساری تعریف اُس خدا کے لیے ہے جو کائنات کا تنہا خالق، مالک اور حاکم ہے، جو کمال درجہ کی حکمت، قدرت اور رحمت کے ساتھ اس میں فرمانروائی کر رہا ہے، جس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو علم و عقل کی قوتیں بخشیں، اسے زمین میں اپنی خلافت سے سرفراز کیا اور اس کی رہنمائی کے لیے کتابیں اتاریں اور پیغمبر بھیجے۔ پھر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں اس کے اُن نیک اور برگزیدہ بندوں پر جو انسان کو انسانیت سکھانے آئے، جنھوں نے آدمی کو اُس کے مقصدِ زندگی سے خبردار کیا اور اسے دنیا میں جینے کا صحیح طریقہ بتایا۔ آج دنیا میں ہدایت کی روشنی، اخلاق کی پاکیزگی اور نیکی و پرہیزگاری جو کچھ بھی پائی جاتی ہے وہ سب خدا کے انہی برگزیدہ بندوں کی رہنمائی کی بدولت ہے اور انسان کبھی ان کے بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

عزیزو اور دوستو! ہم اپنے اجتماعات کو دو حصوں میں تقسیم کیا کرتے ہیں۔ ایک حصہ اس غرض کے لیے ہوتا ہے کہ ہم خود آپس میں بیٹھ کر اپنے کام کا جائزہ لیں اور اسے آگے بڑھانے کے لیے باہم مشورہ کریں۔ دوسرا حصہ اس مقصد کے لیے خاص ہوتا ہے کہ جس مقام پر ہمارا اجتماع ہو وہاں کے عام باشندوں کے سامنے ہم اپنی دعوت کو پیش کریں۔ اس وقت کا یہ اجتماع اسی دوسری غرض

کے لیے ہے۔ ہم نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ کو بتائیں کہ ہماری دعوت کیا ہے اور کس چیز کی طرف ہم بلاتے ہیں۔

ہماری دعوت کا خطاب ایک تو ان لوگوں سے ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں۔ دوسرے اُن عام بندگان خدا سے جو مسلمان نہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ہمارے پاس ایک پیغام ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں دوسرے گروہ کے لوگ مجھے نظر نہیں آتے۔ یہ ہماری پچھلی غلطیوں اور آج کی بے تدبیریوں کا نتیجہ ہے کہ خدا کے بندوں کا ایک بہت بڑا حصہ ہم سے دور ہو گیا ہے اور مشکل ہی سے کبھی ہم یہ موقع پاتے ہیں کہ ان کو اپنے پاس بلا کر یا خود ان کے قریب جا کر وہ پیغام ان کو سنائیں جو ان کے اور ہمارے خدا نے ہم سب کی رہنمائی کے لیے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔ بہرحال اب کہ وہ موجود نہیں ہیں، میں دعوت کے صرف اس حصہ کو پیش کروں گا جو مسلمانوں کے لیے خاص ہے۔

مسلمانوں کو ہم جس چیز کی طرف بلاتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ادا کریں جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ آپ صرف اتنا کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم نے خدا کو اور اس کے دین کو مان لیا۔ بلکہ جب آپ نے خدا کو اپنا خدا اور اس کے دین کو اپنا دین مانا ہے تو اس کے ساتھ آپ پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جن کا آپ کو شعور ہونا چاہیے اور جن کے ادا کرنے کی آپ کو فکر ہونی چاہیے۔ اگر آپ انہیں ادا نہ کریں گے تو اس کے وبال سے نہ دنیا میں چھوٹ سکیں گے نہ آخرت میں۔ وہ ذمہ داریاں کیا ہیں؟ وہ صرف یہی نہیں ہیں کہ آپ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، حج کریں اور زکوٰۃ دیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ معاملات میں اسلام کے مقرر کیے ہوئے ضابطے پر عمل کریں بلکہ ان سب کے علاوہ ایک بڑی اور بہت بھاری ذمہ داری آپ پر یہ بھی عائد ہوتی ہے کہ آپ تمام دنیا کے سامنے اس حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں جس پر آپ ایمان لائے ہیں۔ "مسلمان" کے نام

سے آپ کو ایک مستقل امت بنانے کی واحد غرض جو قرآن میں بیان کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ تمام بندگان خدا پر شہادت حق کی حجت پوری کر دیں: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ یہ آپ کی امت کا عین مقصد وجود ہے جسے آپ نے پورا نہ کیا تو گویا اپنی زندگی ہی اکارت گنوا دی۔ یہ آپ پر خدا کا عائد کیا ہوا فرض ہے کیونکہ خدا کا حکم یہ ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا کی خاطر اٹھنے والے اور ٹھیک ٹھیک راستی کی گواہی دینے والے بنو۔" اور یہ نرا حکم ہی نہیں بلکہ تاکیدی حکم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ "اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔" پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس فرض کو انجام نہ دینے کا نتیجہ کیا ہے۔ آپ سے پہلے اس گواہی کے کٹہرے میں یہودی کھڑے کیے گئے تھے مگر انہوں نے کچھ تو حق کو چھپایا اور کچھ حق کے خلاف گواہی دی اور فی الجملہ حق کے نہیں بلکہ باطل کے گواہ بن کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں دھتکار دیا اور ان پر وہ پھٹکار پڑی کہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔

یہ شہادت جس کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے، جو صداقت آپ پر منکشف کی گئی ہے، انسان کے لیے فلاح و نجات کی ایک ہی راہ جو آپ کو دکھائی گئی ہے، آپ دنیا کے سامنے اس کے حق اور صداقت ہونے پر اور اس کے راہ راست ہونے پر گواہی دیں، ایسی گواہی جو اس کے حق اور راستی ہونے کو مبرہن کر دے اور دنیا کے لوگوں پر دین کی حجت پوری کر دے۔ اسی شہادت کے لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے تھے اور اس کا ادا کرنا ان پر فرض تھا۔ پھر یہی شہادت تمام انبیاء کے بعد ان کی امتوں پر فرض ہوتی رہی۔ اور اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ فرض امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی اُسی طرح عائد ہوتا ہے جس طرح حضور پر آپ کی زندگی میں شخصی حیثیت سے عائد تھا۔

اس گواہی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ نوعِ انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بازپرس اور جزا و سزا کا جو قانون مقرر کیا ہے اس کی ساری بنیاد ہی اس گواہی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم و رحیم اور قائم بالقسط ہے۔ اس کی حکمت و رحمت اور اس کے انصاف سے یہ بعید ہے کہ لوگوں کو اس کی مرضی نہ معلوم ہو اور وہ انھیں اس بات پر پکڑے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف چلے۔ لوگ نہ جانتے ہوں کہ راہِ راست کیا ہے اور وہ ان کی کج روی پر ان سے مواخذہ کرے۔ لوگ اس سے بے خبر ہوں کہ ان سے کس چیز کی بازپرس ہونی ہے اور وہ انجانی چیز کی ان سے بازپرس کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آفرینش کی ابتدا ہی ایک پیغمبر سے کی اور پھر وقتاً فوقتاً بے شمار پیغمبر بھیجے تاکہ وہ نوعِ انسانی کو خبردار کریں کہ تمھارے معاملہ میں تمھارے خالق کی مرضی یہ ہے، تمھارے لیے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے، یہ رویہ ہے جس سے تم اپنے مالک کی رضا کو پہنچ سکتے ہو، یہ کام ہیں جو تم کو کرنے چاہییں اور یہ کام ہیں جن سے تم کو بچنا چاہیے اور یہ امور ہیں جن کی تم سے بازپرس کی جائے گی۔ یہ شہادت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے دلوائی اس کی غرض قرآن مجید میں صاف صاف یہی بتائی گئی ہے کہ لوگوں کو اللہ پر یہ حجت قائم کرنے کا موقع باقی نہ رہے کہ ہم بے خبر تھے اور آپ ہمیں اس چیز پر پکڑتے ہیں جس سے ہم کو خبردار نہ کیا گیا تھا۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حجت اپنے اوپر سے اتار کر پیغمبروں پر ڈال دی اور پیغمبر اس اہم ذمہ داری کے منصب پر کھڑے کر دیے گئے کہ اگر وہ شہادتِ حق کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کر دیں تو لوگ اپنے اعمال پر خود بازپرس کے مستحق ہوں اور اگر ان کی طرف سے ادائے شہادت میں کوتاہی ہو تو لوگوں کی گمراہی و کجروی کا مواخذہ پیغمبروں سے کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں پیغمبروں کے منصب کی نزاکت یہ تھی کہ یا تو وہ حق کی شہادت ٹھیک ٹھیک ادا کر کے لوگوں پر حجت قائم کریں ورنہ لوگوں کی حجت الٹی ان پر قائم ہوئی جاتی تھی کہ خدا نے حقیقت کا جو علم آپ حضرات کو دیا تھا وہ آپ نے ہمیں نہ پہنچایا اور جو صحیح طریقِ زندگی اس نے آپ کو بتایا تھا وہ آپ نے ہمیں نہ بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے اوپر اس ذمہ داری کے بار کو شدت

کے ساتھ محسوس کرتے تھے اور اسی بنا پر انھوں نے اپنی طرف سے حق کی شہادت ادا کرنے اور لوگوں پر حجت تمام کر دینے کی جان توڑ کوشش کی۔ پھر انبیاء کے ذریعہ سے جن لوگوں نے حق کا علم اور ہدایت کا راستہ پایا وہ ایک امت بنا دیے گئے اور وہی منصب شہادت کی نازک ذمہ داری جس کا بار انبیاء پر ڈالا گیا تھا۔ اب اس امت کے حصہ میں آئی اور انبیاء کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ مقام قرار پایا کہ اگر یہ اداۓ شہادت کا حق ادا کردے اور لوگ درست نہ ہوں تو یہ اجر پائے گی اور لوگ پکڑے جائیں گے، اور اگر یہ حق کی شہادت دینے میں کوتاہی کرے، یا حق کے بجائے الٹی باطل کی شہادت دینے لگے تو لوگوں سے پہلے یہ پکڑی جائے گی۔ اس سے خود اس کے اعمال کی بازپرس بھی ہوگی اور ان لوگوں کے اعمال کی بھی جو اس کے صحیح شہادت نہ دینے یا غلط شہادت دینے کی وجہ سے گمراہ اور مفسد اور غلط کار رہے۔

حضرات! یہ ہے شہادت حق کی وہ نازک ذمہ داری جو مجھ پر، آپ پر اور ان سب لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے کو امت مسلمہ کہتے ہیں اور جن کے پاس خدا کی کتاب اور ان کے انبیاء کی ہدایت پہنچ چکی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس شہادت کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ شہادتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک قولی شہادت۔ دوسرے عملی شہادت۔ قولی شہادت کی صورت یہ ہے کہ ہم زبان اور قلم سے دنیا پر اس حق کو واضح کریں جو انبیاء کے ذریعہ سے ہمیں پہنچا ہے۔ سمجھانے اور دل نشین کرنے کے جتنے طریقے ممکن ہیں ان سب سے کام لے کر، تبلیغ و دعوت اور نشر و اشاعت کے جتنے ذرائع ممکن ہیں ان سب کو استعمال کرکے، علوم و فنون نے جس قدر مواد فراہم کیا ہے وہ سب اپنے ہاتھ میں لے کر ہم دنیا کو اس دین کی تعلیم سے روشناس کریں جو خدا نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے۔ فکر و اعتقاد میں، اخلاق و سیرت میں، تمدن و معاشرت میں، کسب معاش اور لین دین میں، قانون اور نظم عدالت میں، سیاست اور تدبیر مملکت میں، اور بین الانسانی معاملات کے تمام دوسرے پہلوؤں میں اس دین نے انسان کی رہنمائی کے لیے جو کچھ پیش کیا ہے اسے ہم خوب کھول کھول بیان کریں، دلائل اور شواہد سے اس کا حق ہونا ثابت کریں، اور جو کچھ اس کے خلاف ہے اس پر

معقول تنقید کر کے بتائیں کہ اس میں کیا خرابی ہے۔ اس قولی شہادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ امت مجموعی طور پر ہدایت خلق کے لیے اسی طرح فکرمند نہ ہو جس طرح انبیاء علیہم السلام انفرادی طور پر اس کے لیے فکرمند رہا کرتے تھے۔ یہ حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ کام ہماری تمام اجتماعی کوششوں اور قومی سعی وجہد کا مرکزی نقطہ ہو، ہم اپنے دل و دماغ کی ساری قوتیں اور اپنے سارے وسائل و ذرائع اس پر لگا دیں، ہمارے تمام کاموں میں یہ مقصد لازماً ملحوظ رہے، اور ہم اپنے درمیان سے کسی ایسی آواز کے اٹھنے کو تو کسی حال میں برداشت ہی نہ کریں جو حق کے خلاف شہادت دینے والی ہو۔

رہی عملی شہادت تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اُن اصولوں کا عملاً مظاہرہ کریں جن کو ہم حق کہتے ہیں۔ دنیا صرف ہماری زبان ہی سے ان کی صداقت کا ذکر نہ سنے بلکہ خود اپنی آنکھوں سے خود ہماری زندگی میں ان کی خوبیوں اور برکتوں کا مشاہدہ کرلے۔ وہ ہمارے برتاؤ میں اُس شیرینی کا ذائقہ چکھ لے جو ایمان کی حلاوت سے انسان کے اخلاق و معاملات میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ خود دیکھ لے کہ اس دین کی رہنمائی میں کیسے اچھے انسان بنتے ہیں، کیسی عادل سوسائٹی تیار ہوتی ہے، کیسی صالح معاشرت وجود میں آتی ہے، کس قدر ستھرا اور پاکیزہ تمدن پیدا ہوتا ہے، کیسے صحیح خطوط پر علوم و آداب اور فنون کا نشوونما ہوتا ہے، کیسا منصفانہ، ہمدردانہ اور بے نزاع معاشی نظام رونما ہوتا ہے، اور انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر پہلو کس طرح سدھر جاتا ہے، سنور جاتا ہے اور بھلائیوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اس شہادت کا حق صرف اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ ہم فرداً فرداً بھی اور قومی حیثیت سے بھی اپنے دین کی حقانیت پر مجسم شہادت بن جائیں۔ ہمارے افراد کا کردار اس کی صداقت کا ثبوت دے، ہمارے گھر اس کی خوشبو سے مہکیں، ہماری دکانیں اور ہمارے کارخانے اس کی روشنی سے جگمگائیں، ہمارے ادارے اور ہمارے مدرسے اس کے نور سے منور ہوں، ہمارا لٹریچر اور ہماری صحافت اس کی خوبیوں کی سند پیش کرے، ہماری قومی پالیسی اور اجتماعی سعی وجہد اس کے برحق ہونے کی روشن دلیل ہو، غرض ہم سے جہاں اور جس حیثیت سے بھی کسی شخص یا قوم کو سابقہ پیش آئے وہ ہمارے شخصی اور قومی کردار میں اس بات کا ثبوت پالے کہ جن اصولوں کو ہم حق کہتے ہیں وہ واقعی حق ہیں اور ان سے فی الواقع انسانی زندگی

اصلح اور اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے۔ پھر یہی عرض کروں کہ اس شہادت کی تکمیل اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس وقت جبکہ ایک اسٹیٹ انہی اصولوں پر قائم ہو جائے اور وہ پورے دین کو عمل میں لا کر اپنے عدل و انصاف سے، اپنے اصلاحی پروگرام سے، اپنے حسنِ انتظام سے، اپنے امن سے، اپنے باشندوں کی فلاح و بہبود سے، اپنے حکمرانوں کی نیک سیرت سے، اپنی صالح داخلی سیاست سے، اپنی راستبازانہ خارجی پالیسی سے، اپنی شریفانہ جنگ سے اور اپنی وفادارانہ صلح سے ساری دنیا کے سامنے اس بات کی شہادت دے کہ جس دین نے اس اسٹیٹ کو جنم دیا ہے وہ درحقیقت انسانی فلاح کا ضامن ہے اور اسی کی پیروی میں نوعِ انسانی کی بھلائی ہے۔ یہ شہادت جب قولی شہادت کے ساتھ مل جاتی ہے تب وہ ذمہ داری پوری طرح ادا ہو جاتی ہے جو امتِ مسلمہ پر ڈالی گئی ہے، تب نوعِ انسانی پر بالکل اتمامِ حجت ہو جاتا ہے، اور تب ہی ہماری امت اس قابل ہو سکتی ہے کہ آخرت کی عدالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کھڑی ہو کر شہادت دے سکے کہ جو کچھ حضورؐ نے ہم کو پہنچایا تھا وہ ہم نے لوگوں تک پہنچا دیا اور اس پر بھی جو لوگ راہِ راست پر نہ آئے وہ اپنی کج روی کے خود ذمہ دار ہیں۔

حضرات! یہ تو وہ شہادت ہے جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں قول و عمل میں دینی چاہیے تھی۔ مگر اب دیکھیے کہ آج ہم فی الواقع کیا شہادت دے رہے ہیں۔ پہلے قولی شہادت کا جائزہ لیجیے۔ ہمارے اندر ایک بہت ہی قلیل گروہ ایسا ہے جو کہیں انفرادی طور پر اور کہیں اجتماعی طور پر زبان و قلم سے اسلام کی شہادت دیتا ہے، اور اس میں بھی ایسے لوگ شاید انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو اس شہادت کو اس طرح ادا کر رہے ہیں جیسا اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ اس گروہِ قلیل کو اگر آپ الگ کر لیں تو آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی عام شہادت اسلام کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف جا رہی ہے۔ ہمارے زمیندار شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام کا قانونِ وراثت غلط ہے اور جاہلیت کے رواج صحیح ہیں۔ ہمارے وکیل اور جج اور مجسٹریٹ شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام کے سارے ہی قوانین غلط اب بلکہ اسلامی قانون کا بنیادی نظریہ ہی قابلِ قبول نہیں ہے اور صحیح صرف وہ قوانین ہیں جو انسانوں نے وضع کیے ہیں۔ ہمارے معلم اور پروفیسر اور تعلیمی ادارے شہادت دے رہے ہیں کہ فلسفہ و حکمت، تاریخ و

اجتماعیات، معاشیات و سیاسیات اور قانون و اخلاق کے متعلق وہی نظریات برحق ہیں جو مغرب کی ملحدانہ تعلیم سے ماخوذ ہیں اور ان امور میں اسلام کا نقطۂ نظر قابلِ التفات تک نہیں ہے۔ ہمارے ادیب شہادت دے رہے ہیں کہ ان کے پاس بھی ادب کا وہی پیغام ہے جو انگلستان، فرانس، اور روس کے دہری ادیبوں کے پاس ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کے ادب کی کوئی حقیقی روح نہیں ہے۔ ہمارا پریس شہادت دے رہا ہے کہ اس کے پاس بھی وہی مباحث اور مسائل اور پروپیگنڈا کے وہی انداز ہیں جو غیر مسلموں کے پاس ہیں۔ ہمارے تاجر اور اہلِ صنعت شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام نے لین دین پر جو حدود قائم کیے ہیں وہ ناقابلِ عمل ہیں اور کاروبار صرف انہی طریقوں پر ہو سکتا ہے جن پر کفار عامل ہیں۔ ہمارے لیڈر شہادت دے رہے ہیں کہ ان کے پاس بھی قومیت اور وطنیت کے وہی نعرے ہیں، وہی قومی مطالبے ہیں، قومی مسائل کو حل کرنے کے وہی ڈھنگ ہیں، سیاست اور دستور کے وہی اصول ہیں جو کفار کے پاس ہیں اور اسلام نے اس بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کی ہے۔ ہمارے عوام شہادت دے رہے ہیں کہ ان کے پاس دنیا کا کوئی مصرف دنیا اور اس کے معاملات کے سوا نہیں ہے اور وہ کوئی ایسا دین رکھتے ہی نہیں جس کا وہ چرچا کریں یا جس کی باتوں میں وہ اپنا کچھ وقت صرف کریں۔ یہ ہے وہ قولی شہادت جو مجموعی طور پر ہماری پوری امت ہندوستان ہی میں نہیں، ساری دنیا میں دے رہی ہے۔

اب عملی شہادت کی طرف آئیے۔ اس کا حال قولی شہادت سے بھی بدتر ہے۔ بلاشبہ کہیں کہیں کچھ صالح افراد ہمارے اندر ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنی زندگی میں اسلام کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مگر سوادِ اعظم کا حال کیا ہے؟ انفرادی طور پر عام مسلمان اپنے عمل میں اسلام کی جو نمائندگی کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام کے زیرِ اثر پرورش پانے والے افراد کسی حیثیت سے بھی کفر کے تیار کیے ہوئے افراد سے بلند یا مختلف نہیں ہیں بلکہ بہت سی حیثیتوں سے ان کی بہ نسبت فروتر ہیں۔ وہ جھوٹ بول سکتے ہیں، وہ خیانت کر سکتے ہیں، وہ ظلم کر سکتے ہیں، وہ دھوکا دے سکتے ہیں، وہ قول و قرار سے پھر سکتے ہیں، وہ چوری اور ڈاکہ زنی کر سکتے ہیں، وہ دنگا اور فساد کر سکتے ہیں، وہ بے غیرتی اور بے حیائی کے سارے کام

کر سکتے ہیں۔ اور ان سب بد اخلاقیوں میں ان کا اوسط کسی کافر قوم سے کم نہیں ہے۔ پھر ہماری معاشرت ہمارا رہن سہن، ہمارے رسم و رواج اور ہماری تقریبات، ہمارے میلے اور عرس، ہمارے جلسے اور جلوس غرض ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس میں ہم اسلام کی ذرا سی بھی صحیح نمائندگی کرتے ہوں۔ یہ چیز گویا اس بات کی زندہ شہادت ہے کہ اسلام کے پیرو خود ہی اپنے لیے اسلام کے بجائے جاہلیت کو زیادہ قابلِ ترجیح سمجھتے ہیں۔ ہم مدرسے بناتے ہیں تو علم اور نظامِ تعلیم اور روحِ تعلیم سب کچھ کفار سے لیتے ہیں۔ ہم انجمنیں قائم کرتے ہیں تو مقصد، نظام اور طریقِ کار سب کچھ وہی رکھتے ہیں جو کفار کی کسی انجمن کا ہو سکتا ہے۔ ہماری پوری قوم بحیثیتِ مجموعی کوئی جدوجہد کرنے اٹھتی ہے تو اس کا مطالبہ، اس کی جدوجہد کا طریقہ، اس کی جمعیت کا دستور و نظام، اس کی تجویزیں، تقریریں اور بیانات، سب کچھ ہو بہو کافر قوموں کی جدوجہد کا چربہ ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ جہاں ہماری آزاد یا نیم آزاد حکومتیں ہوتی ہیں وہاں بھی ہم نے اساسِ حکومت، نظامِ حکومت، اور مجموعۂ قوانین کفار سے لیا ہے۔ اسلام کا قانون بعض حکومتوں میں صرف پرسنل لا کی حد تک رہ گیا ہے اور بعض نے اس کو بھی ترمیم کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔ حال میں ایک انگریز مصنف (Laurence Browne) نے اپنی کتاب (The Prospects of Islam) میں طعنہ دیا ہے کہ ہم نے جب ہندوستان میں اسلام کے دیوانی اور فوجداری قوانین کو دقیانوسی اور ناقابلِ عمل سمجھ کر منسوخ کیا تھا اور مسلمانوں کے لیے صرف ان کے پرسنل لا کو رہنے دیا تھا تو مسلمانوں کو یہ سخت ناگوار ہوا تھا، کیونکہ اس طرح ان کی پوزیشن وہی ہوئی جاتی تھی جو کبھی اسلام کی حکومت میں ذمیوں کی تھی۔ لیکن اب صرف یہی نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اسے پسند کر لیا ہے، بلکہ خود مسلمان حکومتوں نے بھی اس معاملہ میں ہماری تقلید کی ہے۔ ٹرکی اور البانیا نے تو سرے سے ہی دوسرے قوانین، نکاح و طلاق و وراثت تک میں بھی ہمارے معیارات کے مطابق اصلاحات کر دی ہیں، اور یہ بات کھل گئی ہے کہ مسلمانوں کا یہ تصور کہ قانون کا ماخذ ارادۂ الٰہی ہے ایک مقدس افسانے (Pious fiction) سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ — یہ ہے وہ عملی شہادت جو تمام دنیا کے مسلمان تقریباً متفق ہو کر اسلام کے خلاف دے رہے ہیں۔ ہم زبان سے خواہ کچھ کہیں مگر ہمارا اجتماعی عمل گواہی دے رہا ہے کہ اس دین کا کوئی طریقہ ہمیں پسند نہیں اور اس کے کسی قانون میں ہم اپنی فلاح و نجات نہیں پاتے۔

یہ کتمانِ حق اور یہ شہادتِ زُور ہے جس کا ارتکاب ہم کر رہے ہیں۔ اس کا انجام بھی ہمیں وہی دیکھنا پڑا ہے جو ایسے سخت جرم کے لیے قانونِ الٰہی میں مقرر ہے۔ جب کوئی قوم خدا کی نعمت کو ٹھکراتی ہے اور اپنے خالق سے غداری کرتی ہے تو خدا دنیا میں بھی اس کو عذاب دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔ یہودیوں کے معاملہ میں خدا کی یہ سنت پوری ہو چکی ہے اور اب ہم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ خدا کو یہود سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی کہ وہ صرف انہی کو اس جرم کی سزا دیتا، اور ہمارے ساتھ اس کی کوئی رشتہ داری نہیں کہ ہم اسی جرم کا ارتکاب کریں اور سزا سے بچ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم حق کی شہادت دینے میں جتنی جتنی کوتاہی کرتے گئے ہیں اور باطل کی شہادت ادا کرنے میں ہمارا قدم جس رفتار سے آگے بڑھا ہے، ٹھیک اسی رفتار سے ہم گرتے چلے گئے ہیں۔ پچھلی ایک ہی صدی کے اندر مراکش سے لے کر شرق الہند تک ملک کے ملک ہمارے ہاتھ سے نکل گئے، مسلمان قومیں ایک ایک کر کے مغلوب اور محکوم ہوتی چلی گئیں، مسلمان کا نام فخر و عزت کا نام نہ رہا بلکہ ذلت و مسکنت اور پسماندگی کا نشان بن گیا، دنیا میں ہماری کوئی آبرو باقی نہ رہی، کہیں ہمارا قتل عام ہوا، کہیں ہم گھر سے بے گھر کیے گئے، کہیں ہم کو سوء العذاب کا مزا چکھایا گیا اور کہیں ہم کو چاکری اور خدمت گاری کے لیے زندہ رکھا گیا۔ جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں باقی رہ گئیں وہاں بھی انھوں نے شکستوں پر شکستیں کھائیں اور آج ان کا حال یہ ہے کہ بیرونی طاقتوں کے خوف سے لرز رہے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسلام کی قولی و عملی شہادت دینے والے ہوتے تو کفر کے علمبردار ان کے خوف سے کانپ رہے ہوتے۔ دور کیوں جائیے، خود ہندوستان میں اپنی حالت دیکھ لیجیے۔ ادائے شہادت میں جو کوتاہی آپ نے کی بلکہ الٹی خلافِ حق شہادت جو آپ اپنے قول و عمل سے دیتے رہے اسی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ ملک کا ملک آپ کے ہاتھ سے نکل گیا، پہلے مرہٹوں اور سکھوں کے ہاتھوں آپ پامال ہوئے، پھر انگریز کی غلامی آپ کو نصیب ہوئی، اور اب پچھلی پامالیوں سے بڑھ کر پامالیاں آپ کے سامنے آ رہی ہیں۔ آج آپ کے سامنے سب سے بڑا سوال اکثریت و اقلیت کا ہے اور آپ اس اندیشے سے کانپ رہے ہیں کہ کہیں ہندو اکثریت آپ کو اپنا محکوم نہ بنا لے اور آپ وہ انجام نہ دیکھیں جو شودر قومیں دیکھ چکی ہیں۔ مگر خدارا مجھے بتائیے کہ آپ اسلام کے سچے

گواہ ہوتے تو یہاں کوئی اکثریت ایسی ہو سکتی تھی جس سے آپ کو کوئی خطرہ ہوتا؟ یا آج بھی اگر آپ قول اور عمل سے اسلام کی گواہی دینے والے بن جائیں تو کیا یہ اقلیت و اکثریت کا سوال چند سال کے اندر ہی ختم نہ ہو جائے؟ عرب میں ایک فی لاکھ کی اقلیت کو نہایت متعصب اور سخت ظالم اکثریت نے دنیا سے نیست و نابود کر دینے کی ٹھانی تھی۔ مگر اسلام کی سچی گواہی نے دس سال کے اندر اسی اقلیت کو سو فیصدی اکثریت میں تبدیل کر دیا۔ پھر جب یہ اسلام کے گواہ عرب سے باہر نکلے تو پچیس سال کے اندر ترکستان سے لے کر مراکش تک قومیں کی قومیں ان کی شہادت پر ایمان لاتی چلی گئیں اور جہاں سو فیصدی مجوسی، بت پرست اور عیسائی رہتے تھے وہاں سو فیصدی مسلمان بسنے لگے۔ کوئی ہٹ دھرمی، کوئی قومی عصبیت اور کوئی مذہبی تنگ نظری اتنی سخت ثابت نہ ہوئی کہ حق کی زندہ اور سچی شہادت کے آگے قائم رہ سکتی۔ اب اگر آپ پامال ہو رہے ہیں اور اپنے آپ کو اس سے شدید تر پامالی کے خطرے میں مبتلا پاتے ہیں تو یہ کتمانِ حق اور شہادتِ زور کی سزا کے سوا اور کیا ہے۔

یہ تو اس جرم کی وہ سزا ہے جو آپ کو دنیا میں مل رہی ہے۔ آخرت میں اس سے سخت تر سزا کا اندیشہ ہے۔ جب تک آپ حق کے گواہ ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض انجام نہیں دیتے اس وقت تک دنیا میں جو گمراہی بھی پھیلے گی، جو ظلم و فساد اور طغیان بھی برپا ہوگا، جو بداخلاقیاں اور بدکرداریاں بھی رواج پائیں گی ان کی ذمہ داری سے آپ بری نہیں ہو سکتے۔ آپ اگر ان برائیوں کے پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں تو ان کی پیدائش کے اسباب باقی رکھنے اور انھیں پھیلنے کی اجازت دینے کے ذمہ دار ضرور ہیں۔

(باقی)

جماعت اسلامی کا تیسرا اجتماع عام بمقام پٹنہ

بتاریخ ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ جمادی الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ۳، ۴، ۵، ۶ اپریل ۱۹۴۷ء

حسب اعلان سابق جماعت اسلامی کا تیسرا اجتماع عام مندرجہ عنوان تاریخوں میں پٹنہ صوبہ بہار میں منعقد ہوگا۔

(۱) حلقۂ مشرقی ہند (یعنی یوپی، بہار، اڑیسہ، بنگال اور آسام) کے تمام ارکان جماعت کے لیے شرکت حتمی لازم ہے الا یہ کہ کوئی عذر شرعی مانع ہو۔

بقیہ حلقوں سے قیّم صاحبان، مقامی جماعتوں کے امراء، اور جہاں کسی مقام پر دس یا دس سے زائد ارکان موجود ہوں وہاں کے مقامی امیر کے علاوہ ہر دس ارکان میں سے ایک منتخب نمائندے کو شریک اجتماع ہونا چاہیے۔ دوسرے ارکان کے لیے حاضری ضروری نہیں ہے۔ ارکان کے سوا دوسرے حضرات کے لیے کوئی پابندی نہیں۔

(۲) جو لوگ اجتماع میں شرکت کا ارادہ رکھتے ہوں خواہ ہمدرد ہوں یا ارکان، ان کو چاہیے کہ ۲۰ مارچ ۱۹۴۷ء تک سید محمد حسنین صاحب (دفتر جماعت اسلامی، سلطان گنج، محمد پور، پٹنہ) کو اپنے ارادے کی اطلاع کر دیں اور اگر کسی گروہ یا جماعت کی جانب سے اطلاع دے رہے ہوں تو افراد کی ٹھیک ٹھیک تعداد لکھیں جس میں ہر ایک کو کسی قسم کا [illegible]

(۳) خواتین بھی اس اجتماع میں شریک ہو سکتی ہیں، اگرچہ ان کی شرکت لازم نہیں ہے۔ جو خواتین شریک ہونے کا ارادہ رکھتی ہوں ان کو بھی ہدایت مندرجہ بالا کے مطابق اپنے ارادے کی اطلاع دینی چاہیے۔

(۴) شرکائے اجتماع کو ۳ اپریل کی صبح تک بہرحال مقام اجتماع پر پہنچ جانا چاہیے تاکہ اجتماع کے پہلے جلسہ ہی سے وقت کی پابندی ہو سکے۔

(۵) ارکان مجلس شوریٰ ۲ اپریل کی شام تک پٹنہ پہنچ جائیں تاکہ اجتماع سے پہلے مشورہ کیا جا سکے۔

(۶) رہائش کی مشکلات کے پیش نظر تمام شرکائے اجتماع دو دو سیر آٹا یا چاول اور ایک پاؤ شکر ایام اجتماع کے لیے ساتھ لے کر آئیں۔ سب احباب کو حفظ ماتقدم کے لیے [illegible] چاہیے۔

(۷) اگرچہ اپریل کے شروع میں بہار میں گرمی شروع ہو جاتی ہے لیکن بستر میں کمبل یا توشک ضرور لے آنا چاہیے۔

تنبیہ:- تمام شرکائے اجتماع سے توقع کی جاتی ہے کہ دوران اجتماع میں ارکان جماعت کی طرح ضابطۂ جماعت کے پابند رہیں گے اور اجتماع کے وقار، سنجیدگی اور اس کی دینی فضا کو ہر لحاظ سے قائم رکھنے میں پورا تعاون فرمائیں گے۔ سفر کے دوران میں بھی حتی الامکان اسلامی اخلاق کی پابندی اور اپنے مسلک کی صحیح نمائندگی کی کوشش کی جائے۔

خاکسار طفیل محمد قیّم جماعت اسلامی، دارالاسلام، پٹھان کوٹ۔